شام کی حزبُ البعث

اس کی تاریخ، نظریات اور کارنامے

(خلیل حامدی)

اسرائیل اور عربوں کی تازہ جنگ کے جو حالات اور نتائج اخبارات میں آرہے ہیں انہیں پڑھ کر ہر مسلمان کا دل انتہائی غمگین ہے۔ ایک طرف مسلمانوں کے آبائی علاقے چھن گئے ہیں اور دوسری طرف ان کی آبادیاں اکھاڑی جارہی ہیں اور ان کے معصوم بچوں اور عورتوں کو نشانۂ ستم بنایا جارہا ہے۔ ان روح فرسا اور زہرہ گداز حوادث سے بے شک دنیا کا ہر مسلمان خون کے آنسو رو رہا ہے۔ اندلس کی بربادی، ترکستان کا ضیاع اور ازبکستان اور تاجکستان کی مسلم جمہوریتوں کا خاتمہ بے شک اسلامی تاریخ کے عبرت انگیز المیے ہیں۔ مگر ۵ جون ۱۹۶۷ء کا المیہ اس لحاظ سے گزشتہ تمام المیوں سے زیادہ پریشان کن اور ہولناک ہے کہ اس کا نشانہ ملتِ اسلامیہ کا قبلۂ اوّل بنا ہے جو تیسرا حرم ہے، گہوارۂ انبیاءؑ ہے، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی پہلی منزل ہے۔

یہ المیہ اپنے دامن میں جو نتائج و عواقب رکھتا ہے وہ پوری ملتِ اسلامی پر اثر انداز ہونے والے ہیں۔ اس لیے ہمیں نالہ و شیون اور آہ و فریاد سے ہٹ کر ٹھنڈے دل سے اُن اسباب کا جائزہ لینا چاہیے جو اس جنگ میں عربوں کی شکست اور مغضوب علیہ قوم کی فتح پر منتج ہوئے۔ اس جنگ کے دو فریقوں یعنی مصر اور اردن کے داخلی حالات سے تو کم و بیش لوگ واقف ہو چکے ہیں مگر اس کے تیسرے فریق شام کے داخلی حالات بہت کم لوگوں کے علم میں ہیں۔

شام پر اس وقت بعث پارٹی کی حکومت ہے۔ یہ پارٹی اگرچہ پہلے بھی حکومت میں شامل رہ چکی ہے مگر ۱۹۶۳ء سے تو کلی طور پر اُس نے ملک کی زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے۔ اِن صفحات

پاکستان میں اس پر
ٹکٹ لگانے کی
ضرورت نہیں

کاروباری جوابی کارڈ

پرمٹ نمبر ۱۹۳

اس کارڈ کا ڈاک
خرچ مکتوب الیہ
ادا کرے گا

ماہنامہ چراغ راہ

یوسف منزل ہرمزجی اسٹریٹ کراچی ۱

میں چراغِ راہ کے سوشلزم نمبر سے چراغِ راہ کا سالانہ خریدار بننا چاہتا ہوں مجھے سوشلزم نمبر بذریعہ وی پی (بارہ روپے پچاس پیسے بشمول ڈاک خرچ) بھیج دیا جائے۔

نام

پتہ

مندرجہ ذیل پتوں پر سوشلزم نمبر کا تعارف بھیج دیا جائے

میں ہم اس پارٹی کے نظریات اور کارناموں کے متعلق ضروری معلومات دے رہے ہیں تاکہ قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ کیا یہ پارٹی شامی عوام کے اندر روحِ جہاد پھونک سکتی تھی اور شامی قوم کو اسرائیل کے مقابلے پر لا سکتی تھی؟ اسلامی فتوحات کے بارے میں جب مؤرخین قلم اٹھاتے ہیں تو اسبابِ فتوحات کا جائزہ لیتے وقت وہ ایران اور اندلس اور روم و مصر کے داخلی حالات بیان کرتے ہیں، ان کے مذہبی تفرقوں، نظریاتی اختلافات اور حاکم گروہ کے معاشی اور اجتماعی مظالم کو اجاگر کرتے ہیں۔ اور اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان داخلی اسباب کی نقاب کشائی کریں جو اسلامی فتوحات میں ممد و معاون ثابت ہوئے۔ اسی طرح ہمیں جذبات اور وقتی تاثرات کے اس ہجوم میں نہایت ٹھنڈے دل سے حقائق و واقعات کی روشنی میں اُن اسباب کا مطالعہ کرنا چاہیے جو عربوں پر اسرائیل کی کامیابی میں پنہاں ہیں۔

شام پر بعث پارٹی کا اقتدار مارچ ۶۳ء سے قائم ہے۔ اس پارٹی کے چار سالہ دورِ اقتدار کے حالات پر روشنی ڈالنے سے پہلے ضروری ہے کہ وہ تاریخی پس منظر بیان کر دیا جائے جس میں نوبت اس پارٹی کے اقتدار تک پہنچی، کیونکہ ماضی کے ان مجموعی حالات کو حال کی صورت گری کرنے میں دخل حاصل ہے اور ان سے واقف ہوئے بغیر موجودہ صورتِ حال کو سمجھنا مشکل ہے۔

فرانسیسی استعمار کا دور | شام پر فرانسیسی استعمار کا قبضہ تقریباً ۲۴ سال رہا ہے۔ ۱۹۲۱ء سے لے کر ۱۹۴۱ء تک تو تنہا فرانس نے اس پر حکومت کی ہے اور ۱۹۴۱ء کے بعد ۱۹۴۴ء تک فرانس اور برطانیہ دونوں نے مل کر وہاں رقصِ استبداد کیا ہے۔ فرانس نے شام کے اندر جو خطرناک ہتھکنڈے استعمال کیے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے ملک کے اندر مسلم اکثریت کو دبانے اور اقلیتوں کو ابھارنے کی سیاست اختیار کی۔ شام کی ۴۰ لاکھ کی آبادی میں مسلمان غالب اکثریت میں تھے۔ اور دوسری تمام اقلیتیں چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں تھیں۔ بڑی اقلیتوں میں نمبر ایک عیسائی تھے، دوسرے نمبر پر نُصَیری (جنہیں فرانس نے علویوں کا نام دے دیا تھا کہ اس نفرت کو دُور کیا جائے جو نُصَیری کے نام سے مسلمانوں میں پائی جاتی تھی)، اور تیسرے درجے پر دروزی۔ نُصیری سوا دو لاکھ کے قریب تھے اور دروزی ایک لاکھ سے کم۔ شہری آبادیاں زیادہ تر مسلمان تھیں۔ نُصیری لاذقیہ (لاٹاکیہ) کے قریب ساحل پر آباد تھے اور دروزی

جبل الدروز کے علاقے میں رہتے تھے جو شام اور اردن کی سرحد پر واقع ہے۔ اسی پہاڑ کی نسبت سے یہ دروزی کہلاتے ہیں۔ چرکس، ارمن اور یزیدی اقلیات بھی وہاں پائی جاتی ہیں مگر برائے نام۔ فرانسیسی استعمار نے ایک طرف مسلمانوں پر انتہائی ظلم و تشدد برتا اور انہیں پسماندہ رکھنے کی پوری کوشش کی۔ دوسری طرف اس نے ان اقلیتوں کے ساتھ بڑی شفقت کا رویّہ اختیار کیا۔ سرکاری مشینری میں ان کو کلیدی مناصب دیئے۔ فوج میں ان کو زیادہ سے زیادہ داخل ہونے کا موقع دیا۔ اور ان کے دل میں مختلف ذریعوں سے مسلمانوں کے خلاف بغض بھرنے کی کوشش کی۔ مسلمان رہنماؤں نے فرانس کی اس سیاست کو بھانپ کر ہمیشہ یہ کوشش کی کہ ان اقلیات سے قومی پیمانے پر تصادم نہ ہونے پائے۔ چنانچہ شام کی آزادی میں جن شامی رہنماؤں نے غیر معمولی کردار ادا کیا ہے ان میں اگر ایک طرف شکری القوتلی (جمہوریہ شام کے پہلے صدر جن کا ابھی حال میں انتقال ہوا ہے) اور ہاشم اتاسی جیسے جلیل القدر مسلمان ہیں تو دوسری طرف فارس الخوری جیسے محب وطن مسیحی بھی ہیں۔ بدرالدین حسینی جیسے مذہبی عالم بستی بستی اور شہر شہر گھوم کر فرانس کے خلاف انقلاب برپا کرنے کے لیے جہاد کی روح پھونکتے رہے اور ان کی آواز سے مسلم و غیر مسلم سبھی متاثر ہوتے رہے۔

شام کی آزادی کے بعد جو حکومت قائم ہوئی وہ بے شبہ صحیح وطنی حکومت کہی جا سکتی ہے اس میں تمام عناصر نے کسی نہ کسی حیثیت میں حصہ لیا۔ بلکہ مسلم اکثریت کے ملک میں فارس الخوری جیسے مسیحی لیڈر بھی وزارتِ عظمیٰ کے مناصب پر فائز رہے۔ مگر فرانس کا ناپاک استعمار اس ملک کے اندر تفرقہ اور گروہ بندی اور نسلی عصبیت کے جو بیج بو گیا تھا وہ پرورش پا رہے تھے۔ بلکہ فرانس اپنے خفیہ ذرائع سے مسلسل ان کی آبیاری کر رہا تھا۔

آزادی کے بعد پے در پے انقلابات | شام کی بدقسمتی کا آغاز ۱۹۴۹ء سے ہوتا ہے جب ملک کی جمہوری اور پرسکون زندگی فوجی آمریت کی گود میں چلی گئی اور شامی فوج کے کمانڈر انچیف حسنی الزعیم نے تمام جمہوری ادارے ختم کرکے ملک میں فوجی حکومت کا اعلان کر دیا اور جنگِ آزادی کے تمام ہیرو ملزموں کے کٹہرے میں کھڑے کر دیئے گئے۔

کچھ ہی عرصہ بعد ایک اور فوجی کمانڈر سامی الحناوی نے اٹھ کر "قوم ہی کے نام سے" غدار حسنی الزعیم کے خلاف انقلاب برپا کر دیا اور حسنی الزعیم اور اس کا وزیر اعظم محمد محسن البرازی دونوں گولی کا نشانہ بنا دیئے گئے۔ سامی الحناوی نے جمہوری ادارے بحال کرنے کی کوشش کی اور ملکی اختیارات وطن پرست عناصر کے سپرد کر دیئے۔

مگر فوج اختیارات اور حکمرانی کا مزہ پوری طرح چکھے بغیر رہنے والی نہ تھی۔ دسمبر ۱۹۴۹ء میں شامی فوج کے ایک کرنل ادیب شیشکلی نے ملک پر فوجی یلغار کر دی اور اس کے پیش رو سامی الحناوی کو جیل کی ہوا کھانی پڑی۔ اس پر الزام یہ تھا کہ وہ شام کو عراق کے ہاتھ بیچنا چاہتا تھا۔ آخر کار اُسے حسنی الزعیم کے وزیر اعظم محمد محسن البرازی کے قتل کے الزام میں گولی کا نشانہ بننا پڑا۔ اب ادیب شیشکلی کا دورِ حکومت تھا اس دور میں دسمبر ۱۹۴۹ء سے لے کر اکتوبر ۱۹۵۴ء تک شامی فوج دل بھر کر اہلِ شام کے سینے پر مونگ دلتی رہی۔ فوج اور سول کے بے شمار لوگ قتل کر دیئے گئے۔ استبداد و تشدد کا خوب دور دورہ رہا۔ ملک کی اجتماعی اور اقتصادی زندگی ڈانواں ڈول ہو گئی۔ لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہو گیا۔ قوم کے نام پر قوم کو ذلیل و رسوا کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی گئی۔ ادیب شیشکلی نے فوج کے زیر سایہ پارلیمنٹ کا انتخابِ عام کر دایا اور پارلیمنٹ کی طرف سے اُسے "صدرِ جمہوریہ" کا منصب بھی پیش کر دیا گیا۔ مگر شام کی تمام سیاسی اور اجتماعی اور مذہبی تنظیموں نے مل کر اس انتخاب کا مقاطعہ کیا اور متحدہ محاذ کی شکل میں ادیب شیشکلی کی ڈکٹیٹر شپ کا مقابلہ کیا۔ فروری ۱۹۵۴ء کو حلب میں شیشکلی کے خلاف بغاوت ہوئی اور شام سے بھاگ کر اُسے سعودی عرب میں پناہ لینی پڑی۔[۱]

اس حال میں کہ ملکی معیشت کا ایک ایک بخیہ ادھڑ چکا تھا ادیب شیشکلی سے ملک کو نجات ملی۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء میں پھر وطنی حکومت برسرِ اقتدار آئی۔ ڈاکٹر فارس الخوری اس کے وزیر اعظم تھے لیکن یہ حکومت بھی زیادہ دیر تک نہ چل سکی۔ فوجی گروہ بار بار اس میں دخل دیتے رہے۔ اسی دخل اندازی سے تنگ آکر فارس الخوری نے استعفا پیش کر دیا۔ حالات اس قدر بگڑ چکے تھے کہ کسی دانشمند، وطن دوست اور تعلیم یافتہ شخص کے لیے انہیں سدھارنا مشکل تھا۔ ان حالات میں جو حکومتیں بھی بنتی رہیں اُن میں سے بمشکل ہی کسی حکومت نے ایک سال سے

---

[۱] ۱۹۶۳ء میں ادیب شیشکلی ایک نامعلوم شخص کے ہاتھوں یورپ میں گولی کا نشانہ بن گیا۔

زیادہ عرصہ کی عمر پائی ہو۔

ستمبر ۱۹۵۷ء میں شام اور مصر کے درمیان ایک فوجی معاہدہ طے ہُوا اور بالآخر یکم فروری ۱۹۵۸ء کو شام اور مصر میں اتحاد ہو گیا۔ دونوں ملکوں نے مل کر "متحدہ عرب جمہوریہ" کو جنم دیا۔ مگر یہ اتحاد بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ ۱۹۴۹ء سے لے کر ۱۹۵۸ء تک ۹ سال کا عرصہ ایسا گزرا تھا جس نے شام کے استقرار کو ہمیشہ کے لیے خارج خطی کر دی تھی۔ اس استقرار کو ختم کرنے میں شام کی بعث پارٹی اور سوشلسٹ اور کمیونسٹ عناصر کو غیر معمولی دخل حاصل ہے۔ ان عناصر نے فوج کے اُن عناصر کو بھی غلط راستے پر ڈال دیا جو اقلیتی فرقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ زیادہ تر اُن فوجی گروہوں نے یہ بغاوتیں کیں جو حماہ اور اس کی پہاڑیوں کے رہنے والے تھے۔ یہ وہی علاقے ہیں جن میں زیادہ تر نصیری فرقہ کے لوگ آباد ہیں۔ اسی لیے شامی مورخ اس دَور کو حَمَوی آمریت کا دَور کہتے ہیں۔ مصر کے ساتھ شام کے الحاق کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ شام کے ملاحدہ اور بگڑے ہوئے فوجی عناصر شام کو خالص کمیونسٹ اسٹیٹ میں تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ شامی فوج میں باہم سخت کشمکش شروع ہو گئی تھی اور ملک شدید خطرے سے دوچار ہو گیا تھا۔ اس لیے شام کے مخالفِ اشتراکیت حلقوں نے خیریت اسی میں سمجھی کہ مصر سے الحاق قائم کر لیا جائے۔ کیونکہ مصر اُس وقت مکمل کر روسی بلاک کا "بارِ غار" بن کر سامنے نہیں آیا تھا۔ مگر اتحاد کے چند روز ہی بعد قاہرہ نے پھر ان فوجی عناصر کی پُشت پناہی شروع کر دی جن سے نجات پانے کے لیے شامی عوام نے یہ اتحاد قائم کیا تھا۔

شام اور مصر کا اتحاد فروری ۱۹۵۸ء سے لے کر ستمبر ۱۹۶۱ء تک شام اور مصر کا اتحاد قائم رہا۔ بلکہ صحیح لفظوں میں شام پر مصر کی حکمرانی رہی۔ اس دَور میں شام کی صوبائی حکومت کی باگ ڈور بعث پارٹی کے لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ اتحاد کے اس دَور میں قاہرہ اور بعث پارٹی نے مل کر شامی قوم کے ساتھ جو سلوک کیا وہ یہ ہے:

شام میں عارضی دستور نافذ کیا گیا۔ اس دستور کے تحت تمام انتظامی اور تشریعی اختیارات صدر کو دے دیئے گئے[1] اور بالآخر شام پر مستقل آمریت کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ اعلان صدر کے آرڈی ننس

[1] کتاب "ماذا یجری فی سوریہ" تالیف نزار عرابی، طبع دار الفکر دمشق، صفحہ ۹۴ تا ۹۹۔

ایکٹ نمبر ۱۶۲، ۴ ، ۱ مجریہ ۱۹۵۸ء کے ذریعہ ہوا۔ اس اعلان کے تحت صدر اور نائب صدر کو یہ اختیارات دیئے گئے:

"اجتماع، نقل و حرکت، اقامت، مخصوص جگہوں پر مخصوص اوقات میں آمد و رفت کی آزادی پر پابندی، مشکوک اشخاص کو گرفتار کرنے کا حق۔ امن و امان اور ملکی نظام کے لیے خطرہ پیدا کرنے والے افراد کی نظر بندی۔ عدالتی کارروائی کے بغیر اشخاص اور مقامات کی تفتیش کی اجازت کسی بھی شخص کو کسی بھی کام کے سرانجام دینے پر مجبور کرنا۔ رسائل و اخبارات کا سنسر، ان کی ضبطی چھاپے خانے کی ضبطی۔ دکانوں اور منڈیوں کو کھولنے اور بند کرنے کے اوقات کا تعین۔ منقولہ اور غیر منقولہ جائداد پر قبضہ کے اختیارات[1]۔"

اس کے نتیجے میں پولیس ہی ملک کی اصل حکمران بن گئی۔ پولیس کا ادارہ معاشرے اور قانون سے بالاتر ہو گیا[2]۔ پولیس نے امن قائم کرنے کے بجائے ہنگامے اور فسادات کروانے شروع کر دیئے۔ مزدوروں کے حلقوں اور "الاتحاد القومی" کے اندر بھی پولیس نے ہنگامے کھڑے کیے[3]۔ زرعی اصلاحات کے نام سے آتشِ انتقام بجھائی گئی[4]۔ قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہو گیا۔ اس کے نتیجے میں لوگوں نے ملک کو خیر باد کہنا شروع کر دیا۔ بعث پارٹی کی ان دھاندلیوں سے خود جمال عبدالناصر جیسا ڈکٹیٹر بھی انگشت بدنداں رہ گیا۔ ۲۲ ر اکتوبر ۱۹۶۳ء کو اس نے اسکندریہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

---

[1] ایضاً ص ۱۱۱۔ [2] کتاب "ما الذی جری فی سوریۃ" تالیف محمد حسنین ہیکل ایڈیٹر الاہرام ص ۲۰۵۔

[3] ایضاً ص ۱۱۵

[4] محمد حسنین لکھتا ہے: "حلب کے ایک زمیندار رشاد الجابری کی زمین زرعی اصلاحات کے قانون کے تحت تقسیم کی گئی۔ اس قانون کی رو سے مالک کو اپنی زمین میں سے ایک محدود مقدار اپنی مرضی کے مطابق منتخب کر لینے کا حق تھا مگر وزیر زراعت مصطفیٰ حمدون نے اسے یہ حق استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اور جب مصطفیٰ حمدون سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو اس نے کہا کہ "یہ شخص بغداد پیکٹ کا حامی ہے" ملاحظہ ہو کتاب ما الذی جری فی سوریہ ص ۹۷ ۔ ۹۸۔

"بعث پارٹی حکومت پر ہرگز نہ آسکتی تھی۔ اس پارٹی نے تباہ کن وسائل کے ساتھ تشدد کا راستہ اختیار کیا۔ خونریزی کو مشغلہ بنایا۔ بعث کا نظام فاشسٹ نظام ہے۔ یہ عوام کی نمائندگی سے محروم ہے۔ بعث حکومت کی بنیاد خونریزی، تشدد اور جیل خانوں پر قائم ہے[1]......"

اس دور میں بعث پارٹی کی حکومت نے ایک ایسا کارنامہ سرانجام دیا جس سے بہ بخوبی اندازہ ہوگیا کہ مسلمانوں کے حق میں اس پارٹی کے کیا عزائم ہیں۔ یوگوسلاویہ کے مسلمانوں کی ایک تعداد وہاں کی کمیونسٹ حکومت کے مظالم سے تنگ آکر شام میں پناہ گزین تھی۔ ۱۹۴۹ء کی جنگ فلسطین میں ان مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش سے حصہ لیا اور کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ۱۹۵۹ء میں جب مارشل ٹیٹو نے متحدہ عرب جمہوریہ کا دورہ کیا تو اس نے ان پناہ گزین مسلمانوں کو واپس یوگوسلاویہ بھیجنے کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ بعث حکومت نے یہ تمام مسلمان خفیہ پولیس کے حوالے کر دیئے۔ لاذقیہ کی بندرگاہ سے ان کو بحری جہاز میں لاد دیا گیا اور وہاں سے یہ یوگوسلاویہ پہنچا دیئے گئے۔ یوگوسلاویہ میں انہیں یک قلم موت کے گھاٹ اتار دیا گیا[2]۔

اتحاد کا خاتمہ بعثی اور اشتراکی عناصر کی دھاندلیوں اور قاہرہ کی بے تدبیریوں کی وجہ سے مصر اور شام کا اتحاد ۳ سال ۷ ماہ کے اندر ختم ہوگیا۔ حماہ کے ایک فوجی نوجوان حیدر الکزبری نے شام کو مصر سے کاٹ دیا اور مصریوں کو ملک سے نکال دیا۔ شام کے ایک ایک فرد نے اس اتحاد کے انقطاع پر خوشی کے شادیانے بجائے۔ ملک کے اندر سول حکومت قائم کر دی گئی۔ اجتماعی اور اقتصادی زندگی میں چہل پہل شروع ہوگئی۔ علیحدگی کے تھوڑے عرصہ بعد پارلیمنٹ کا انتخاب عمل میں آگیا۔ ناظم القدسی جیسے مرنجاں مرنج لیڈر سربراہ منتخب ہوئے۔ نئے دستور کی تدوین کا آغاز ہوگیا۔ لیکن وہ عنصر جو جمہوری ماحول

---

[1] سقوط الثورات الاشتراکیہ ص ۱۳۳-۱۳۵

[2] کتاب: سقوط الثوراتِ الاشتراکیہ، مطبوعہ لبنان ص ۱۱۹-۱۲۰۔ نیز ملاحظہ ہو: ماہنامہ حضارۃ الاسلام، دمشق، شمارہ نومبر ۱۹۶۲ء و روزنامہ الندوہ، مکہ بیان محمود کمال منقیش۔ البتہ مارشل ٹیٹو نے پچاس ہزار یہودی اسرائیل بھیجے ہیں جن میں اس کا بھائی ناحوم بیادہ بھی ہے اور وہ وزارتِ خارجہ میں اہم عہدے پر کام کر رہا ہے۔

میں اپنی موت سمجھتا ہے اس نئے دور سے ناخوش تھا۔ کیونکہ جمہوری انتخاب نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ تمام نعرے جو بعث ازم نیشنلزم اور کمیونزم کے نام پر لگائے گئے ہیں اور انہیں "پسماندہ عوام" کے مقبول ترین نعرے قرار دیا جاتا رہا ہے، عوام نے ان سے بیزاری کا اظہار کر دیا ہے اور آزادانہ انتخاب کے پہلے ہی مرحلے میں اُن کی قلعی کھل گئی ہے۔ چنانچہ چند طالع آزما لیڈروں نے فوج کے اُن افسروں سے راہ ورسم پیدا کی جو خود حکومت کا خواب دیکھ رہے تھے۔ اس طرح سے شام پھر ایک اور تاریک شام کا استقبال کرنے لگا۔ اس کے بعد حالات میں جو تغیر ہوا اُس کا خلاصہ یہ ہے:

پے در پے فوجی انقلابات ۲۸ مارچ ۱۹۶۲ء کو تین فوجی افسروں، عبدالکریم نحلاوی، مہیب الہندی اور ہشام نے مل کر دمشق پر ٹینکوں سے چڑھائی کر دی۔ ان میں ایک دستہ وہ تھا جو اسرائیلی سرحد پر متعین تھا۔ ان افسروں کی یہ تحریک جس کے پیچھے بعثی اور اشتراکی سول افسروں کا بھی ہاتھ تھا اس لحاظ سے انتہائی تباہ کن تھی کہ شام جمہوریت کے راستے سے ہٹ کر پھر عسکری آمریت کے پنجے میں جا رہا تھا۔ انقلابیوں نے تمام سیاستدانوں کو المزہ کی جیل میں ڈال دیا۔ اور نہاد القاسم نے نئی مخلوط وزارت تشکیل کی جس میں فوج اور سول کے وزراء شامل کیے گئے۔

ابھی اس حکومت نے "ہنی مون" بھی نہ منایا تھا کہ دو ہفتے کے بعد جاسم علوان اور لوئی اتاسی اور اُن کے رفقاء نے بغاوت کر دی۔ شام کے شمالی علاقے سے یہ تحریک اٹھی ناصر حامیوں نے اسکی تائید کی اور وحدتِ مصر شام کو نئے سرے سے بحال کرنے کی کوشش کی گئی۔ بشیر العظمہ کی حکومت نے بالفعل اس کا اعلان بھی کر دیا مگر دمشق اور قاہرہ کی گفتگوئیں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئیں۔ قاہرہ نے سرد مہری کا برتاؤ کیا۔ عبدالکریم نحلاوی اور اس کے ساتھی ملک سے باہر نکال دیئے گئے اور ابھی تک وہ جلا وطن ہیں۔ ملک کے اندر خلفشار نے تباہ کن صورت اختیار کر لی۔

ملک کی کشتی کو بھنور کے بیچوں بیچ دیکھ کر سابقہ پارلیمنٹ نے خود بڑھ کر ہمت کی۔ مرحوم خالد العظم کے مکان پر اس کا اجلاس ہوا۔ پارلیمنٹ نے خالد العظم پر اعتماد کا اظہار کیا اور ان کی سرکردگی میں نئی حکومت کی تشکیل کر دی گئی۔ نئے دستور کی تدوین پر وقت صرف کرنے کے بجائے ۱۹۵۰ء کے

دستور کو نافذ کر دیا گیا۔ یہ وہی جمہوری دستور تھا جسے وطن پرست عناصر نے فرانس سے نجات کے بعد وضع کیا تھا اور شام کے پہلے فوجی ڈکٹیٹر حسنی الزعیم نے جسے بوٹوں تلے روند ڈالا تھا۔ ایمرجنسی ختم کر دی گئی۔ بنیادی آزادیاں بحال کر دی گئیں۔ مگر ماحول کی خوشگواری سے فائدہ اٹھا کر شر پسند عناصر نے فتنہ پردازی شروع کر دی۔ بازاروں اور شاہراہوں پر بم پھینکے گئے۔ فضا کو معمول سے ہٹانے کے لیے جگہ جگہ دہشت پسندانہ سرگرمیوں کا آغاز کر دیا گیا۔ شام کے تمام اہلِ علم، اربابِ سیاست اور مذہبی اور سوشل تنظیموں کے لیڈر اس امر پر متفق تھے کہ ملک کو کسی نہ کسی طرح آمریت کی طرف جانے سے بچایا جائے۔ اکرم حورانی جیسے اشتراکیت نواز بھی اس میں پیش پیش تھے۔ چنانچہ ایک نیشنل چارٹر وضع کیا گیا جس میں ملک کے ہر حلقے کی نمائندگی تھی۔ ۸ مارچ ۱۹۶۳ء کو شام ریڈیو سے اس چارٹر کا اعلان ہونے والا تھا۔

بعث پارٹی کی حکومت | ٹھیک ۸ مارچ ۱۹۶۳ء کی صبح کو ایک فوجی افسر زیاد الحریری کی قیادت میں ایک اور فوجی انقلاب برپا کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ قاہرہ کے حامیوں نے اس انقلاب کا تانا بانا تیار کیا تھا مگر زیاد الحریری اور فوج کے بعثی عناصر اسے لے اڑے۔ شروع میں انقلابی حکومت میں ناصریوں کو بھی شامل کیا گیا۔ مگر رفتہ رفتہ بعثی گروہ نے جو دروزیوں اور علویوں پر مشتمل تھا، تمام ناصریوں کو نکال دیا اور خالص بعثی حکومت کا طوطی بولنے لگا۔ شام کے اندر اس دور میں سخت افسوسناک حالات رونما ہوئے۔ بعثی کارکنوں نے عوام الناس پر دست درازیاں کیں۔ دمشق اور حماۃ اور حمص میں سینکڑوں افراد شہید کیے گئے۔ مسلمانوں نے اقلیتی فرقے کی حکومت کے خلاف احتجاج کیا۔ مسجدوں اور عبادتگاہوں میں اس کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔ مگر بعث کی فوجی حکومت نے دل کی پوری بھڑاس نکالی۔ دمشق کی مشہور تاریخی مسجد جامع اموی پر گولہ باری کی اور عین حالتِ نماز میں نمازیوں کو شہید کیا۔ حماۃ کی جامع مسجد میں بھی جب مسلمانوں نے پناہ لی تو فوج نے مسجد کے اندر گھس کر لوگوں کو پکڑا اور انہیں سر بازار سزائیں دیں۔ اسلام پسند عناصر کے ساتھ انتہائی وحشیانہ برتاؤ کیا۔ ان کی ڈاڑھیاں نوچی گئیں، ناخن اکھاڑے گئے اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ سیاسی بے دخلی بھی شروع ہوگئی۔ سیاستدانوں کی فہرستیں باہر سے چھپ کر آتی

تھیں اور شام میں ان پر عمل درآمد ہوتا تھا۔

اس طرح بعث پارٹی کی حکومت کا دور مارچ ۱۹۶۳ء سے شروع ہوا۔ اس پارٹی نے آج تک جو مہمات سرانجام دی ہیں اُن کا جائزہ لینے سے پہلے اس پارٹی کی تاریخ، اس کے نظریات اور اس کے بعض لیڈروں کا تعارف ضروری معلوم ہوتا ہے۔

بعث پارٹی کا بانی | بعث پارٹی ۱۹۴۰ء میں وجود میں آئی تھی۔ اس نے اپنے چھبیس سالہ دور میں اسلام کی مخالفت میں کوئی کمی نہیں اٹھا رکھی۔ عرب قوم پرستی، الحاد اور اشتراکیت کی آڑ میں اس نے الحاد اور زنا کی اشاعت کی ہے۔ اس پارٹی کا بانی ایک عیسائی مائیکل عفلق[۱] ہے۔ یہ شخص ۱۹۲۸ء سے لے کر ۱۹۳۲ء تک فرانس میں تعلیم حاصل کرتا رہا ہے۔ شام کی فرانسیسی حکومت نے اسے خاص طور پر تعلیمی مشن کے ہمراہ بھیجا تھا۔ فرانس سے واپس آیا تو اسے دمشق کے مدرسۃ التجہیز الاولیٰ میں اسلامی تاریخ کا مدرس مقرر کیا گیا۔ یہ مدرسہ ثانوی تعلیم کے معیار کا تھا۔ تدریس کے زمانے میں اس نے طلبہ کے اندر اپنے بیہودہ نظریات و افکار کی اشاعت شروع کر دی اور ان کے ذہنوں میں یہ نظریہ اُتارنا شروع کر دیا کہ: اسلام خالصتًہ عربوں کی تحریک تھی۔ غیر عربوں نے اس میں شامل ہو کر اسے بگاڑ دیا ہے۔ اسلام کے مخالفین جنہیں مشرکین عرب کہا جاتا ہے محض اپوزیشن لیڈر تھے۔ اُنہوں نے بھی اس تحریک کی کامیابی کے لیے اتنا ہی حصہ لیا جتنا اس تحریک کی موافق پارٹی نے لیا۔ اور یہ کہ جو قرآن عثمان رضی اللہ عنہ، نے جمع کیا ہے وہ اُس قرآن سے مختلف ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا[۲]۔ علمائے اسلام کے کانوں تک جب یہ ہفوات پہنچیں تو انہوں نے وزارتِ تعلیم سے سخت احتجاج کیا جس کے نتیجے میں وزیر تعلیم نے فوری کارروائی کی اور تاریخ اسلامی کے بجائے اس شخص کو فرانسیسی زبان کی تعلیم کا استاد بنا دیا گیا۔ مذکورہ بالا مدرسہ دمشق کا وہ واحد مدرسہ تھا جو فرانسیسی تسلط کے اثر سے آزاد تھا۔ اس مدرسے میں شام کے نمایاں لوگوں کے بچے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ مائیکل عفلق نے

---

[۱] ہمارے ملک کے اخبارات عموماً اس کو افلاک لکھتے ہیں۔ حالانکہ اس کا صحیح نام عفلق ہے۔

[۲] باطنیہ کی ہر تحریک نے اپنے زمانے میں یہی خیال پیش کیا ہے کہ موجودہ قرآن اصل قرآن نہیں ہے۔ اصل قرآن باطنیہ کے سینوں میں ہے۔

اس مدرسہ کے نوخیز ذہن کو اپنی آماجگاہ بنائے رکھا طلبہ کو فرانس میں تعلیم کی سہولتیں دلوانے کا لالچ دے کر اپنے جال میں پھنساتا رہا اور ان کے اندر دینی روایات کے خلاف بغاوت کا جذبہ ابھارتا رہا۔ اور بعض اچھے اچھے دینی گھرانوں کے نوجوانوں کو بھی اُس نے اپنے خیالات سے متاثر کر لیا۔

سنہ ۱۹۴۲ء میں مائیکل عفلق نے مدرسی سے استعفا دے دیا اور اپنی پارٹی کی تنظیم شروع کر دی۔ ۱۹۴۹ء میں جب حُسنی الزعیم نے پہلی مرتبہ شام کے اندر فوجی آمریت قائم کی تو مائیکل عفلق کو وزارتِ تعلیم کا قلمدان سونپا گیا۔ چنانچہ اس منصب سے اُس نے پورا فائدہ اٹھایا۔ اپنے کئی پیروکاروں کو تعلیم کے لیے فرانس بھجوایا۔ اس کے حامیوں نے تعلیمی اداروں کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور اپنے مدرسین کو مختلف اسکولوں میں پھیلا دیا۔ شام کے کالج آف ایجوکیشن اور ٹیچرز ٹریننگ سنٹر انہوں نے کلیتہً اپنے قبضہ میں لے لیے۔ اور حالت یہ ہو گئی کہ ہر اُس طالبِ علم کے لیے انہوں نے اِن اداروں کے دروازے بند کر دیئے جس کے اندر سے ایمان باللہ اور اسلام سے وابستگی کی بُو آتی تھی۔ اِسی طرح ملٹری کالج پر بھی ان کا مکمل تسلط ہو گیا اور وہاں بھی کسی مومن کے لیے داخلے کی گنجائش انہوں نے نہ چھوڑی۔ البتہ غیر مسلم اقلیتوں کے افراد، اور علوی اور دروزی اور وہ مسلمان نوجوان جنہوں نے اسلام اور عقیدۂ اسلام کو فارغ خطی لکھ دی، اِن اداروں سے خوب فائدہ اٹھاتے رہے۔ ان سے فارغ ہو کر جو نوجوان نکلے ان میں سے اکثر و بیشتر عفلق کے نظریات کے پُرجوش داعی بن نکلے۔ یہ اُسی دَور کا قصّہ ہے کہ کالج آف ایجوکیشن کے طلبہ کے ایک گروہ نے (نعوذ باللہ) خدا کا جنازہ نکالا تھا۔ اور ابوجہل اور ابولہب کے نام سے تفریحی کلب قائم کیے تھے۔

مائیکل عفلق نے اسلام کے بارے میں جو رویّہ اختیار کیا وہ اس کی ان تحریروں سے واضح ہے جو آگے ہم نقل کر رہے ہیں۔ لیکن خود مسیحیت میں اُس کی پُختہ زناری کا یہ عالم رہا کہ اس نے باقاعدہ ویٹیکن میں حاضر ہو کر پوپ کی زیارت کی اور اس سے ایک تمغہ حاصل کیا۔ فرانسیسی گورنر سے بھی (جو اُس وقت شام اور لبنان کے دونوں صوبوں کا گورنر تھا) اس کے گہرے روابط تھے۔ گورنر کا مرکز بیروت میں تھا۔ ایک مسلمان فوجی افسر جسے فرانسیسی عہد میں غیر معمولی منصب حاصل تھا اور جو فرانسیسی گورنر کے محل میں تعینات تھا، بیان کرتا ہے کہ اس زمانے میں عفلق اور فرانسیسی گورنر کے درمیان طویل خفیہ ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان

ملاقاتوں میں نہایت اہم امُور پر مشورے ہوتے رہتے تھے[1]

بعث پارٹی کے اصل حامی مسلمان طلبہ کے اندر مائیکل عفلق کو خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو سکی۔ بے شک اُس نے بعض اچھے مذہبی گھرانوں کے نوجوانوں کو خراب کیا۔ لیکن علماء کے واویلا اور احتجاج کی بنا پر اس نے اپنی دعوت کا رُخ بدل دیا اور صرف اقلیتی فرقوں کے طلبہ پر اپنی توجہات مرکوز کر دیں۔ وزارتِ تعلیم سے مستعفی ہو کر اُس نے پارٹی کی توسیع کے لیے دروزی قبائل اور نُصیری، یعنی عَلوی آبادیوں کا دورہ کیا۔ یہ دونوں قبائل قریب قریب یکساں عقائد رکھتے ہیں اور مسلمانوں کی عداوت پر متفق ہیں۔ فرانس نے اپنے دورِ انتداب میں اِن فرقوں کو مسلمانوں کے خلاف اُبھارنے کی پُوری کوشش کی ہے[2]۔ مائیکل عَفلق نے اسی عصبیت سے فائدہ اٹھا کر ان دونوں فرقوں کے لیے بعث پارٹی کے دروازے کھول دیئے اور ان کے ذریعے سے شامی فوج کے اندر اپنے خفیہ حلقے قائم کر لیے۔ ہمارے ملک کے بعض لوگ بعث پارٹی کو مسلمانوں کی کوئی جماعت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس پارٹی کی زمامِ کار عیسائیوں، دروزیوں اور نصیریوں کے ہاتھ میں ہے۔ البتہ چند ملحد مسلمان ضرور اس میں شامل ہیں۔ مگر ان کی حیثیت دوسرے درجہ کی ہے محض مسلم دنیا کو دھوکا دینے کے لیے انہیں چند سرکاری منصب سونپے گئے ہیں[3]۔

نُصَیری اور دروُزی ہمیشہ مسلمانوں سے شدید عداوت برتتے رہے ہیں صلیبی جنگوں میں انہوں نے عیسائیوں کی پُوری پوری مدد کی صلیبی لشکر کو شام کے ساحلی علاقوں میں گھسنے کا انہوں نے نہ صرف موقع دیا بلکہ پُوری رہنمائی کی۔ تاتاری بھی انہی کی امداد سے بلادِ اسلام میں داخل ہوئے۔ بلادِ اسلام پر حملہ آور کی یہ جاسوسی کرتے رہے۔ بحرین پر جب ان کو اقتدار حاصل ہُوا تو اس وقت بھی انہوں نے مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہائیں اور حج کے ایّام میں مکہ معظمہ پہنچ کر انہوں نے حجاج کی کثیر تعداد کو قتل کیا

---

[1] ملاحظہ ہو ہفت روزہ: اخبار العالم الاسلامی، مکہ، شمارہ ۵ جون ۱۹۶۷ء۔

[2] کتاب "فی سبیل البعث" از مائیکل عفلق ص ۷۲۔

[3] بھارت کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین کی جو پوزیشن ہندوستان میں ہے وہی پوزیشن ان چند مسلمانوں کی ہے جن کے نام بعث پارٹی اور بعث حکومت کی فہرست میں کبھی کبھار نظر آجاتے ہیں۔

اور انہیں چاہ زمزم میں پھینک دیا۔ حجر اسود کو توڑ ڈالا۔ علمائے اسلام اور مسلمانوں کی نمایاں شخصیتوں کی اَن گنت تعداد ان کے ہاتھوں شہید ہوئی۔ اور اب نئے دَورِ اقتدار میں انہوں نے مسلمانوں کے کشت وخون اور سلب و نہب میں پچھلے تمام ریکارڈ مات کر دیئے ہیں۔ ۱۹۴۸ء میں جو مسلمان فلسطین سے ہجرت کر کے نکلے تھے ان کا بیان ہے کہ اسرائیلی فوج کے یہودیوں نے ان پر وہ مظالم نہیں ڈھائے جو دروزیوں نے ڈھائے۔ دروزیوں کی تازہ ترین غداری عربوں اور اسرائیل کی حالیہ جنگ میں بھی ثابت ہو چکی ہے۔ روزنامہ جنگ میں محمود احمد مدنی لکھتے ہیں:

"شام کی تیز رفتار پسپائی کا ایک المناک پہلو یہ ہے کہ عین جنگ کے دوران اسرائیل سے متصل شام کی سرحد پر آباد دروزی قبائل نے اسرائیل سے وفاداری کا اعلان کر دیا۔ دروز شام کی ایک اہم اقلیت ہیں۔ شام کی خانہ جنگیوں میں ان کا ہمیشہ ہاتھ رہا ہے[۱]۔"

بہر حال یہی دروزی اور علوی (نصیری) شام کی بعث پارٹی کے روحِ رواں رہے ہیں۔ انہی کی ریشہ دوانیوں سے وہاں جمہوریت نہیں چل سکی اور بار بار انقلابات برپا ہوتے رہے۔

بعث کے نظریات: اب ہم مائیکل عفلق اور بعث پارٹی کے دوسرے لیڈروں کی تحریروں کی روشنی میں اس پارٹی کے نظریات کا جائزہ لیتے ہیں۔ مائیکل عفلق نے بعث کے تین مقاصد بیان کیے ہیں، وحدت، حریت اور اشتراکیت۔ وحدت کا مفہوم وہ یہ بتاتا ہے کہ "عربوں کی مذہبی اور ملی اساسات کو ختم کر کے انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا[۲]"۔ حریت کا مفہوم یہ ہے کہ "اسلام محض ایک مذہب ہے اس میں اور دوسرے مذاہب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ عرب ریاست کے اندر ہر شہری کو عقیدہ کی آزادی ہوگی[۳]"۔ اشتراکیت کا تصور یہ ہے کہ "میری اشتراکیت یہ نہیں ہے کہ کارخانوں میں اضافہ ہو۔ میری اشتراکیت یہ ہے کہ زندگی کی دولت میں اضافہ ہو۔ اصل بات یہ نہیں ہے کہ لوگ طعام میں مساوی ہوں۔ اصل چیز یہ ہے کہ

[۱] ملاحظہ ہو روزنامہ جنگ بابت ۲۰ جون ۱۹۶۷ء مکتوب محمود احمد مدنی

[۲] کتاب: فی سبیل البعث تالیف مائیکل عفلق ص ۲۴۰

[۳] ایضاً ص ۲۴۰

ہر فرد اپنے خیالات و افکار کے اظہار میں مکمل آزاد ہو۔[1] اس اشتراکیت کے عزائم وہ یہ بتاتا ہے کہ "وہ ان کمزور انسانوں کی کایا پلٹنے والی ہے جو مصائب کا مقابلہ آہ و بکا سے کرتے ہیں اور یہ کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔[2] اشتراکیت کے نفاذ کا طریقہ اس کے نزدیک یہ ہے کہ "ہم اشتراکیت کو کیسے نافذ کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شام کی حکومت پر جب ہمارا قبضہ ہو جائے گا تو ہم تمام تفریقوں کو مٹا دیں گے اور عدل کو بروئے کار لائیں گے لیکن بایں ہمہ ہم باقیماندہ مشن کی تکمیل میں مصروف رہیں گے۔ ہو سکتا ہے ہم شامی قوم کی ہر خواہش پوری نہ کر سکیں۔ بلکہ ہم اس کی ضروریات میں سے کچھ تو وصول ہی کریں گے تاکہ فوج کی پرورش کر سکیں اور تمام عرب ملکوں کے اندر انقلاب برپا کر سکیں۔[3]"

"اس کشمکش سے اس وقت تک کوئی جوہری انقلاب برپا نہیں ہوگا جب تک اس کی بھاری قیمت نہ ادا کی جائے۔[4]"

اسلام کے بارے میں بعث کا تصور بعث پارٹی کے بانی نے اسلام کو عربوں کی تحریک قرار دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عرب لیڈر قرار دیا ہے۔ اور اسلام کو آسمانی پیغام نہیں بلکہ عربوں کی طبعی بیداری سے تعبیر کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے:

> "اسلام کی تحریک عربوں کے مزاج اور طبیعت کا عکس ہے اس لحاظ سے اسلام کے نزول اور تشخص چاہے نہ بدلیں مگر اسلام کی روح بدلتی رہتی ہے۔ اب تک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو باہر سے دیکھا گیا ہے اور ایک خوشنما شکل سامنے رکھی گئی ہے اور تقدیس اور تبجیل کے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن اب ہمیں اندر سے بھی دیکھنا چاہیے۔[5]"
>
> "اسلام کا کارنامہ اُس طبعی اسٹیج سے الگ نہیں کیا جا سکتا جس پر یہ ظہور پذیر ہوا ہے، اور وہ اسٹیج ہے سرزمین عرب۔ اور نہ اس کارنامے کے ہیرو اور ایکٹر اس سے الگ کیے جا سکتے ہیں،

---

[1] ایضاً ص ۲۱ — [2] ایضاً ص ۱۸

[3] ایضاً ص ۹۹ — [4] ایضاً ص ۱۱۴

[5] گویا یہ باطنیت کی تعلیم دی جا رہی ہے۔